© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات)

(۲۱)

اس پر الشعبی نے کہا کہ میں نے ان میں سے کس کس سے علم حاصل کیا ہے؟ زکریا نے بطور مثال کے حارث اعور اور صعصعہ کا نام لیا حالانکہ اس گروہ کے یہ ممتاز لوگ تھے، لیکن شعبی نے ہر ایک کے متعلق اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اچھے خیالات ظاہر نہیں کئے، حارث اعور کے بارے میں کہا کہ حساب اور فرائض اگرچہ اسی شخص سے میں نے سیکھا ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص وسواس کے مرض میں گرفتار تھا، صعصعہ کے متعلق کہا کہ بڑا اچھا بولنے والا آدمی تھا لیکن دین کی سمجھ اس میں بھی نہ تھی شعبی کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

کان خطیباً ولم یکن بفقیہ[1] وہ واعظ بڑا اچھا تھا لیکن فقیہ نہ تھا۔

[1] تذکرۃ الحفاظ

الذہبی نے اسی کے قریب قریب الشعبی کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں و مستفیدوں کے سوا میں نے تو کسی کو فقیہ کبھی خیال نہیں کیا اس پر ایک شخص نے ٹوکتے ہوئے ان لوگوں کا نام لینا شروع کیا جو ابن مسعود کرم سے مستفید نہیں ہوئے تھے اور صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت میں شریک ہو گئے تھے، اس فہرست میں بھی حارث، ابن ضبوہ، صعصعہ، رشید وغیرہ کا نام ہے اس وقت بھی الشعبی نے ہر ایک کے متعلق ان ہی خیالات کا اظہار کیا جن کا ذکر زکریا سے کیا تھا بلکہ رشید الہجری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا وہ قصہ یعنی مدینہ پہنچنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وفات کے بعد ملاقات کرنے کا قصہ اسی موقعہ پر بیان کیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان وغیرہ میں آپ کو ان چیزوں کی تفصیل مل سکتی ہے

بہرحال بادیۂ عرب کے مختلف گوشوں سے کوفہ کی چھاؤنی میں اس قسم کا ایک خاص طبقہ جو جمع ہو گیا جن کے ممتاز افراد کا میں نے ذکر کیا ان کے متعلق یہ سمجھنے کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اسلام کو انھوں نے اخلاص و صداقت کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا، ان ہی لوگوں کے دوسرے حالات بھی ان ہی کتابوں میں ملتے ہیں جو ان کی راستبازی اور سرفروشی کی واضح شہادتوں پر مشتمل ہیں بلکہ آگے بڑھ کر میں تو یہاں تک کہنے کے لئے آمادہ ہوں کہ رشید ہجری کے اس قصہ کے سوا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں ملاقات کا اس نے دعویٰ کیا ہے جو ظاہر ہے کہ بے اصل واقعہ ہے، اس کے سوا قصداً غلط بیانی کا انتساب بھی اگر کل کی طرف نہیں تو ان کے سربرآوردہ افراد کی طرف مشکل ہے، مثلاً حارث اعور ہی ہیں آج ہی نہیں، الشعبی کے بعض بیانات میں ان کی طرف کذب کے انتساب کو باکراسی زمانہ میں بعض جلیل القدر بزرگوں نے اس پر اعتراض کیا تھا، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی کے سامنے کسی نے شعبی کے اس دعویٰ کا جب ذکر کیا تو کہنے لگے کہ

اظن الشعبی عوقب بقولہ فی الحارث (ج ۲ ص ۱۴۶) — میں خیال کرتا ہوں کہ الشعبی کو اسی کی سزا ملی جو حارث کے متعلق وہ کہتے تھے۔

اور یہ بھی یہی بات کہ حارث معمولی آدمی نہیں ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلیمی حلقہ کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں حافظ ہی نے لکھا ہے کہ

تعلم الفرائض من علی (ج ۲ ص ۱۴۷) — فرائض کا علم حضرت علی ہی سے حارث نے سیکھا تھا

اور شعبی نے حارث ہی سے اس علم کو سیکھ کر کوفہ میں اس علم کی اشاعت کی، گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں فرائض کا علم جو پایا جاتا ہے شاید اس کی تعلیمی سند حارث ہی پر ختم ہوتی ہو، ابن سعد کے حوالہ سے خود اسی کتاب میں کسی موقعہ پر میں نے بھی نقل کیا ہے کہ اپنے دست مبارک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حارث کو وہ نوشتہ دیا تھا جس میں "علم کثیر" تھا۔
اور ایک حارث ہی کا یہ حال نہیں ہے، حارث تو شعبی کے استاد تھے۔ کوفہ کی اسی جماعت کی مشہور شخصیت جابر بن یزید الجعفی کی ہے شعبی سے ہم عصری کا تعلق تھا۔ رائے قایم کرنے والوں کی رائیں اس شخص کے متعلق بھی عجیب ہیں، ایک بڑا طبقہ جابر پر معترض ہے، لیکن جابر کے مداحوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ واللہ اعلم اصل واقعہ کیا ہے لیکن جہاں تک اس طبقہ کے حالات کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کردار سے زیادہ ان کا اصلی عیب یہ تھا کہ جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کا معیار یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں جس کی تعبیر کی تھی کہ۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون — لوگوں سے وہی باتیں (یعنی حدیث کے متعلق) بیان کرو جنہیں لوگ جانتے پہچانتے ہوں، اور جن سے نامانوس ہوں انھیں چھوڑ دو۔

اس علوی معیار کے استعمال سے اپنی خاص قسم کی دماغی کیفیت کی وجہ سے وہ معذور تھے آخر خود سوچنا چاہیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مواجہہ مبارک میں اور وہ بھی بحالت خطبہ بھری مجلس میں بے دھڑک

اشہد انک ملک الدابہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ دابہ تم ہی ہو۔

کہنے سے جو نہ جھجکتے ہوں اور اس قسم کے دوسرے رکیک و سخیف خیالات پر جنھیں اصرار ہو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کی عقلیت اس کا فیصلہ کیسے کر سکتی تھی کہ اسلامی تعلیمات سے مانوس و غیر مانوس باتیں کون سی ہیں ان کی اسی عقلی سادگی سے نفع اٹھانے والے نفع اٹھاتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے قدرتاً حضرت والا کے ساتھ ان کی عقیدت غیر معمولی طور پر جنوں کی حد تک بڑھی ہوئی تھی، حریفوں نے اسی کو ہتھکنڈا بنا لیا، حضرت کی طرف منسوب کر کے جس قسم کی باتیں چاہتے ان سے منوا لیتے تھے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ حارث اعور کے متعلق احمد بن صالح مصری کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی کسی نے احمد کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الشعبی کے اعتراض کا ذکر کیا تو جواب میں احمد نے کہا

لم یکن یکذب فی الحدیث انما کان کذبہ فی رأیہ صـ۱۲۱

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث کی روایت میں غلط بیانی سے کام لیتے تھے بلکہ رائے کی غلطی ان کی مراد ہے۔

تقریباً یہ وہی توجیہ ہے جسے میں پیش کر رہا ہوں کہ قصداً حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی جرأت یہ لوگ نہیں کر سکتے تھے، ان کے دوسرے دینی حالات سے اس کی تردید ہوتی ہے، البتہ ان لوگوں کی رائے یعنی عقاید و خیالات غلط تھے جن میں مبتلا ہو جانے کے بعد پھر صحیح و غیر صحیح روایتوں میں تمیز کی صلاحیت ہی آدمی میں باقی نہیں رہ سکتی آخر ادن سے حضرت علی کی آواز سننے کا جو انتظار کر سکتے ہوں، آپ ان سے کیا چیز نہیں منوا سکتے الشعبی ہی سے براہ راست ذہبی نے حارث کے متعلق جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ

فخشیت علی نفسی منہ الوسواس تذکرہ ج۱ صـ۷۱

مجھے اس شخص کے متعلق اس کا اندیشہ ہے کہ وہ وسواس کے مرض میں مبتلا تھے۔

اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ شعبی کو حارث اعور کی عقلیت پر بھروسہ نہ تھا میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں ایک دوسری مثال سے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں مذکورہ بالا طبقہ کی ممتاز اور نمایاں شخصیتوں کی فہرست جو میں نے پیش کی ہے دیکھئے اسی میں ایک صاحب ہیں حبۃ العرنی جن کا بھی نام ہے ابن معین کے حوالہ سے لسان المیزان کا وہ فقرہ ابھی گذرا ہے جس میں دوسروں کے ساتھ حبہ کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ لا یساوی شیئاً (کسی چیز کے برابر نہیں ہے) لیکن اسی کے ساتھ حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب میں سلمہ بن کہیل جیسی باوقار اور مستند بزرگ ہستی کی یہ چشم دید شہادت بھی نقل کی ہے۔

ما رأیتہ قط الا یقول سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر الا ان

میں نے کبھی اس کو نہیں دیکھا مگر اسی حال میں پایا کہ سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یصلی او یحدث تنا صہ۶۶ تہذیب — البتہ نماز پڑھ رہے ہوں یا ہم لوگوں سے حدیث بیان کرتے ہوں،

عقلاً اسی قسم کی شخصیت کے متعلق یہ خیال کہ قصداً وہ جعلی روایتیں بنا بنا کر حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، شاید صحیح نہیں ہو سکتا اور یہی سوال ہے کہ نقد رجال کے ائمہ آخر حبہ کی روایتوں کی ایک حبہ بھی قیمت جو نہیں لگاتے۔ ابن معین ہی نہیں، دوری جوزجانی، نسائی ابن خراش اور ان کے سوا بھی اس راہ کے ارباب تحقیق کی یہی رائے نقل کی گئی ہے کہ حدیث میں وہ کچھ نہ تھے۔ (دیکھئے تہذیب لفظ حبۃ العرنی صہ۱۷۶ ج ۲) اور اب میں اسی سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد عثمانی کے آخری سالوں میں غلط اور بے سر و پا بے بنیاد روایتوں کا سیلاب مسلمانوں میں بہا دیا گیا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جیسا کہ بہ تفصیل بتایا جا چکا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے ذاتی معلومات کی اشاعت سے اس طوفان کا مقابلہ مناسب خیال فرمایا، اور اسی کے ساتھ صحیح اور غلط روایتوں کے جانچنے کا فطری اور عقلی معیار یعنی معروف و مانوس اور منکر و غیر مانوس باتوں میں تمیز کی جو کسوٹی مسلمانوں کو آپ نے عطا فرمائی اس کو دیکھ کر حریفوں کو دوسری چال سوجھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی زندگی کی حد تک تو خاموش رہے اور گو فتنہ کے سرغنوں کو بھی جہاں تک آپ سے ہو سکا ختم کر چکے تھے۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد آپ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ حکومت کی باگ جن ہاتھوں میں چلی گئی، سیاسی مہمات کی مشغولیت نے دوسری طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ان کے لئے باقی نہ رکھا تھا۔ چھپی دبی چنگاریاں فساد کی ملک کے مختلف گوشوں میں جو باقی رہ گئی تھیں، ان کو بھڑکنے اور چمکنے کا ایک مغتنم موقعہ مل گیا، واقعات بتلاتے ہیں کہ بقیۃ السیف افراد فتنہ پردازوں کے جو پوشیدہ تھے وہ پھر باہر نکل آئے۔ جیسا کہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فوجیوں میں گھلے ملے تھے وہ حضرت کی فوج اور آپ کے طرفداروں کے حالات سے بھی خوب واقف تھے جانتے تھے اور ان کی ذہنی اُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دماغی کیفیتوں کا ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت اچھا اور کافی تجربہ رکھتے تھے جیسا کہ معلوم ہے حضرت کے ساتھ دینے والوں میں غالب تعداد کوفہ کی چھاؤنی کے فوجیوں کی تھی کوفہ والوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانہ کے جو لوگ تھے ان کو متاثر کرنا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ البتہ بادیۂ عرب کے ان سادہ دل سپاہیوں میں کام کرنے کی کافی گنجائش نظر آئی، خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ اقدس سے جو زیادہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے ظلوب مخالفوں کی سیاسی کامیابیوں اور اپنی ناکامیوں سے جیسا کہ چاہیے تھا محزون و مغموم تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امام برحق کے مقابلہ میں مخالف جماعت کیسے کامیاب ہوگئی۔ بہرحال اسی جماعت کے مختلف افراد کا انتخاب کیا گیا، اور کسی دوسرے کے نام سے نہیں، بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کرکے ان بے چاروں میں اپنی خود تراشیدہ روایتوں کی ترویج میں نفسیاتی اصول کے تحت جن میں وہ غیر معمولی مہارت رکھتے تھے بتدریج کوشش شروع کی۔ پھر زیادہ دن گذرنے نہ پائے تھے کہ دیکھا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی واقعی روایت کردہ حدیثوں کے ساتھ مصنوعی اور جعلی روایتوں کا ایک انبار ان ہی لوگوں میں جمع ہو گیا جن کو اپنے اس عمل کے لئے فتنہ پردازوں کی اس ٹولی نے چنا تھا۔ خیال تو کیجئے کہ جابر بن یزید الجعفی جو تقریباً اسی زمانہ کا آدمی ہے یعنی الشعبی عکرمہ وغیرہ کا شاگرد ہے۔ ابتدا میں بے چارے کی دینی حالت غیر معمولی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بہتر تھی اچھے اچھے لوگ اس کے مداح تھے۔ سفیان ثوری، شعبہ، وکیع جیسے اکابر اس کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے، لیکن خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ اسی آسیب زدہ جماعت سے اس کا تعلق ہو گیا کہتے ہیں کہ جابر کے استاد شعبی کو جب اس کی بھنک لگی تو بطور فہمائش کے اس کو سمجھایا بھی کہ جابر! دیکھ! میں خیال کر رہا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ کر مرے گا" (میزان ص۱۷۶ ج۱) مگر بدقسمت جابر فتنہ کا شکار ہو گیا اسی کے بعد یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ

انتقل العلم الذی کان فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی علی ثم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو علم تھا، وہ حضرت علی تک منتقل ہوا اور علی سے امام حسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من علی الی الحسن ثم لم یزل حتی بلغ جعفراً میزان ص۱۵۲ ج۱

پھر یوں ہی وہ منتقل ہوتا ہوا جعفر تک (یعنی اسی شخص تک پہونچا)

ان روایتوں کی تعداد جن کے متعلق جابر مدعی تھا کہ امام جعفر کے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے اس کو پہنچی ہیں جو کچھ بتاتا تھا خود اس کی زبان سے براہ راست سننے والوں کا بیان ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ

سمعت جابرا یقول عندی سبعون الف حدیث عن ابی جعفر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھا

میں نے سنا ہے جابر کہتا تھا کہ میرے پاس ستر ہزار ایسی روایتیں ہیں جو کل کی کل ابو جعفر (امام باقر علیہ السلام) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچیں

مقدمہ صحیح مسلم ص۱۳۵

مسلم کے اسی مقدمہ میں ایک روایت پچاس ہزار کی بھی ہے، امام ابو حنیفہ تک کے سامنے اس نے تیس ہزار روایتوں کا دعویٰ کیا تھا تہذیب میں ہے

ان عندہ ثلثین الف حدیث لم یظھرھا ج۲ ص۴ تہذیب

تیس ہزار روایتیں ایسی ہیں (جسے کہتا تھا) کہ اس نے (یعنی جابر) نے لوگوں پر ظاہر نہ کیا

واللہ اعلم بالصواب جابر کے یہ دعوے اس کے خود تراشیدہ دعوے تھے یا جس جماعت میں وہ شریک ہو گیا تھا یعنی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن حبان نے لکھا ہے کہ

کان سبائیا من اصحاب عبد اللہ بن سبا میزان ص۱۵۲ ج۱

جابر دراصل سبائی تھا یعنی عبد اللہ بن سبا کے لوگوں میں سے تھا۔

ان لوگوں سے یہ چیزیں اس تک پہنچی تھیں، اس کے ابتدائی حالات جو بیان کئے گئے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین عقل وقیاس یہی ہے کہ جھوٹ کا یہ طومار دوسروں ہی سے اس

؎ اسی مقصد کو کبھی ان الفاظ میں ادا کرتا کہ رسول اللہ نے حضرت علی کو بلایا، اور جو کچھ آپ کو خدا سے علم ملا تھا سب آپ کو سکھایا حضرت علی نے امام حسن کو امام حسن نے امام حسین کو حسین نے بیٹے کو تا اینکہ امام جعفر صادق تک اس تعلیم کو پہنچایا۔ ص۱۵۲ میزان ج۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک پہنچا ہوا تھا واللہ اعلم بالصواب

میری غرض تو صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے پھیلانے والوں نے جھوٹ کے جس سمندر کو انڈیل دیا تھا، اس کا اندازہ آپ کو صرف اسی ایک قطرے سے ہو سکتا ہے، آخر جب ایک ایک آدمی اپنے پاس ستر ستر ہزار، پچاس پچاس ہزار روایتوں کا پشتارہ رکھتا ہو تو مجموعی طور پر ان روایتوں کی مقدار کیا ہوگی، جو حضرت والا کے اسم مبارک کی طرف منسوب کر کر کے اسی قسم کے مفتون لوگوں میں پھیلا دی گئی ہوں گی۔

انتہا یہ ہے کہ جیسے حضرت والا کی طرف سے تحریری شکل میں بعض روایتوں کی اشاعت عمل میں آئی تھی، ان لوگوں نے اس سے بھی نفع اٹھایا یعنی سینوں سے سینوں میں جو کچھ وہ منتقل کر رہے تھے وہ تو خیر کر ہی رہے تھے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نوشتوں کو دیکھ دیکھ کر لکھ لکھ کر جعلی روایتوں کی کتابوں کو حضرت والا کے اسم گرامی کی طرف منسوب کر کے پھیلانے والے پھیلا رہے تھے امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ

اتی ابن عباس بکتاب فیہ قضاء علی فمحاہ الا قدر واشار سفیان بذراعہ صفحہ ۱۲۹

ابن عباس کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس میں (دعویٰ کیا جاتا تھا) کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے ہیں، حضرت ابن عباس نے اس کتاب کو لے کر مٹانا شروع کیا مگر اتنا سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر کتاب کو باقی رکھا۔

مگر ظاہر ہے کہ ابن عباس ہی جیسی ہستی اس کی جرأت کر سکتی تھی، بلکہ قاضی ابن ابی ملیکہ جو طائف

۱؎ آخر خود خیال کیجیے وکیع بن الجراح جیسے امام تک جس کے متعلق یہ کہتے ہوں کہ خواہ اور کسی چیز میں تم شک کرو لیکن جابر معتبر اور ثقہ آدمی ہے اس میں شک نہ کرنا چاہیے سفیان ثوری کی عقیدت کا حال ابتدا میں اسی کے متعلق اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ نقد رجال کے امام شعبہ نے جابر پر جب جرح کا ارادہ کیا تو سفیان نے کہلا بھیجا تھا کہ جابر پر اگر تم کلام کروگے تو میں پھر تم پر کلام کروں گا۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قاضی تھے ان کے جس قصہ کا ذکر اسی مقدمہ میں امام مسلم نے کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباس کو ابن ابی ملیکہ نے لکھ بھیجا کہ آپ میری راہ نمائی کے لئے کوئی کتاب لکھ کر بھیج دیجئے حضرت ابن عباس نے اسی "قضائے علی" نامی کتاب کو منگوایا آپ نے چاہا کہ اسی کی نقل کر کے بھیج دوں، لیکن جب لکھنے بیٹھے تو راوی کا بیان ہے

فیما یمر بہ الشیئ فیقول واللہ ما قضیٰ	ان کے سامنے کوئی بات آتی، تو فرماتے قسم ہے خدا
بھذا علی الا ان یکون قد ضل	کی نہ فیصلہ کیا علی نے یہ مگر یہ کہ وہ راہ سے بھٹک گئے

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ قطعاً نہ تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ضلالت اور بھٹک جانے کا العیاذ باللہ الزام لگا رہے تھے بلکہ اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے یہ دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے جو اسلام کا منکر ہو گیا ہو، ظاہر ہے کہ مقصد اس قسم کے طرز بیان سے یہ ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے یہ دین اسلام کا ایسا بدیہی اور واضح عقیدہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے کوئی اس دعوی کا مدعی نہیں ہو سکتا اسی طرح ابن عباس کا مقصد بھی مذکورہ بالا تعبیر سے محض ان جعلی اقوال کی نوعیت کا اظہار ہے یعنی ان کا مصنوعی ہونا اتنا واضح ہے کہ گمراہ ہوتے بغیر ایسا فیصلہ حضرت علی کر ہی نہیں سکتے، الغرض روایت کا وہی معیار جس سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایات کی تنقید میں کام لینے کی ہدایت فرمائی تھی اور آپ سن چکے کہ ابن عباس نے بھی

فلا ناخذ الا ما نعرف	اب ہم نہیں قبول کرتے مگر ان ہی روایتوں کو جو جانی پہچانی مانوس ہیں۔

کے الفاظ سے اسی طریقہ کار کا اظہار بھی فرمایا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ابن عباس ہونا تو خیر بڑی بات ہے جس قسم کی بصیرت اور پختہ نظری کثرت مشق اور مزاولت، نیز دوسرے اسباب کے تحت ان میں پیدا ہو گئی تھی یہ بات ہر کس و ناکس کو کیسے میسر آسکتی تھی نتیجہ وہی ہوا جو بد اندیشوں نے سوچا تھا، یہی نہیں کہ جھوٹ کا ایک سیلاب سارے اسلامی علاقوں میں پھیل گیا، عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک مدنی خطبہ میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقد سالت علینا احادیث من قبل	المشرق (عراق وغیرہ جس میں کوفہ بصرہ وغیرہ الامصار
ھذا المشرق ولا نعرفھا	تھے) وہاں سے حدیثوں کا ایسا سیلاب بہ کر ہماری طرف
ابن سعد صـ۱۷۲ ج ۵	آگیا ہے جنہیں ہم نہیں پہچانتے۔

ظاہر ہے کہ "ھذا المشرق" سے عبدالملک کا اشارہ اسی مشرقی شمالی حصہ کی طرف تھا جہاں سے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا، شاید پہلے بھی اس کا کہیں ذکر آچکا ہے کہ یہ اموی فرماں روا عبدالملک زمانہ تک علم حدیث کا طالب العلم رہ چکا تھا اور ممتاز و نمایاں طلبہ میں اس کا شمار تھا اس لئے اس کے قول کو میں نے نقل بھی کیا کہ اس وقت وہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حدیث کے ایک طالب العلم کی حیثیت سے گفتگو کر رہا تھا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد اس فتنہ کے نتائج و آثار کو کتنے دنوں تک اور کتنے دور دور فاصلوں پر لوگ محسوس کر رہے تھے۔

اور قصہ صرف اسی پر ختم ہو جاتا تو سمجھا جاتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں جو مصیبت دراندازوں کے ہاتھوں حدیث کے اس علم پر نازل ہوئی تھی، یعنی وہی مصیبت جس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جیسا کہ گذر چکا ترکنا الحدیث عنہ (یعنی رسول اللہؐ سے حدیثوں کی روایت کو ہم نے چھوڑ دیا) کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گویا یہی مصیبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد پھر واپس ہوگئی لیکن اس مصیبت کے مقابلہ کے لئے عوام کے لئے نہ سہی مگر خواص کے لئے تو لم نأخذ من الناس الا ما نعرف (ہم نہیں قبول کریں گے لوگوں سے مگر ان حدیثوں کو جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں) کا معیار تو رہ گیا تھا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے جن معلومات اور مسموعات کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی تھی ظاہر ہے کہ وہ معمولی معلومات نہ تھے یوں بھی سوچنا چاہئے کہ حضرت علی جو آٹھ نو سال کی عمر سے آخر وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بقول شخصے اسی وقت بہ ظاہر علیحدہ ہوئے۔ جب دیکھا گیا کہ دفن کر کے روضۂ پاک سے وہ باہر نکل رہے ہیں اس دوامی رفاقت و استمراری معیت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے جو گوناگوں روابط تھے اور ان روابط کی وجہ سے نبوت کے متعلق معلومات کا جو قیمتی سرمایہ ان کے پاس جمع ہوگیا تھا خیال کرنے کی بات ہے کہ معلومات کا یہی سرمایہ جب وقفِ عام کردیا گیا ہو تو اس غیر مترقبہ نعمت کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے بقول حافظ الدنیا شیخ ابن حجر کہ پیغمبر کے متعلق جس شخص کے معلومات کا یہ حال ہو کہ

هذه عائشة اخص ازواج النبي صلى الله عليه وسلم تقول لسائلها عن شيءٍ من احوال النبي صلى الله عليه وسلم سل عليا تہذیب ج ۷ ص۳۳۷

یہ عائشہ صدیقہ جو رسول اللہ کی تمام بیویوں میں سب سے زیادہ خصوصیت رکھتی ہیں، جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے متعلق کوئی کچھ دریافت کرتا تو فرماتیں کہ علی سے پوچھو

یہ آخری مہر توثیق اس علم کی وسعت کے متعلق ہو سکتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھا لیکن اس علم کا انجام بھی کیا ہوا؟ کسی دوسری جماعت کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص نے جو اصحابِ علی میں شمار ہوتے تھے ان ہی سے مشہور کوفی امام ابو اسحاق السبیعی نے براہ راست یہ شہادت سنی، امام مسلم ہی نے اپنے مقدمہ میں اس کو بھی نقل کیا ہے یعنی

عن ابي اسحاق قال لما احدثوا تلك الاشياء بعد علي قال رجل من اصحاب علي قاتلهم الله اي علم افسدوا ص۱۲

ابو اسحاق سے ان کا یہ بیان نقل کیا جاتا ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جو نئی باتیں لوگوں نے پھیلائیں تو ایک شخص جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحبت یافتوں میں تھا کہا کرتا تھا کس علم کو ان لوگوں نے غارت کیا۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جن معلومات کی اشاعت کوفہ پہنچ کر فرمائی تھی وہ ان جعلی اقوال اور خود تراشیدہ روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو کر جنہیں مفسدوں کے اس گروہ نے حضرتِ والا کی طرف منسوب کرکے زبانی اور کتابی دونوں شکلوں میں پھیلا دیا تھا ان ہی میں گم ہو گئے یا شارح علامہ کے الفاظ میں مذکورہ قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقولوا علیہ الاباطیل واضافوا الیہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف جھوٹی منگھڑت خود
الروایات والاقاویل المفتعلۃ والمختلقۃ	ساختہ روایتیں ان لوگوں نے منسوب کیں، اور جو
وخلطوہ بالحق فلم یتمیز ما ھو صحیح	صحیح روایتیں تھیں اس حق کے ساتھ جھوٹ کو انھوں
عنہ مما اختلقوہ فجر الاسلام ص۱۲۹	نے ملا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کی صحیح روایتوں اور ان کی جعلی روایتوں میں ایسا اشتباہ پیدا ہو گیا کہ دونوں گڈمڈ ہو گئے

اور میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ حق کی اشاعت باطل کے زور کو توڑنے کے لئے کی گئی تھی لیکن باطل والوں نے اسی اشاعتِ حق کو اباطیل اور خرافات کی ترویج کا ذریعہ بنالیا، اس کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوفہ پہنچ کر حضرت والا نے اپنے جدید معلومات کی اشاعت کی ہے پانچ سچی باتوں کے ساتھ پچاس جعلی روایتوں کا انتساب اسی لئے آسان ہو گیا ورنہ سرے سے حضرت کی طرف سے اگر کسی چیز کی اشاعت عمل میں نہ آتی تو شاید اتنی آسانی کے ساتھ اپنی مختلقہ و خود تراشیدہ من گھڑت روایتوں کے منوالینے میں ان کو کامیابی نہیں ہوتی گویا شاعر کی وہی بات ایک حیثیت سے صادق آئی کہ

شد غلامے کہ آب جو آرد   آب جو آمد و غلام ببرد

ٹھیک اس کی مثال وہی ہے جس کا ذکر مورخین نے نحوی مسائل کے متعلق کیا ہے یعنی ابو الاسود دوئلی کو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نحو کے چند بنیادی کلیات کی طرف جو رہنمائی فرمائی تھی ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الزجاجی کی امالی میں حضرت علی کے بتائے ہوئے یہ کلیات

نحو من عشرۃ اسطر ص۳۳۲ ج۲	تقریباً دس سطروں سے

سے زیادہ نہ تھے لیکن ابراہیم بن عقیل نے جو بکری الکرمانی کی نسبت سے مشہور تھے ان حضرت نے دس سطروں کو دس ورقوں میں پھیلا کر سب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر دیا اور اس کا نام "التعلیقہ" رکھ دیا تھا، ابن عساکر کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ ان ہی دس سطروں کو

جعل ھذا الشیخ ابراھیم قریبا من	انھیں شیخ ابراہیم نے ان ہی دس سطروں کو دس ورق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عشرۃ اوراق تاریخ دمشق ص۲۳۱ ج۲۔ بغدادئے۔

اور ایک یہی کیا زندگی کے کن کن شعبوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسم مبارک سے پھیلانے والوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں پھیلایا ہے جس کی داستان طویل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کا یہ حملہ اس حملہ سے کہیں زیادہ تباہ کن اور زیادہ سخت تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں علم حدیث پر کیا گیا تھا، ایسی گہری نقابی تاریکیاں پھیلا دی گئیں کہ حق و باطل کے امتیاز کی کوئی شکل باقی نہ رہی تھی اور قریب تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس علم کا جہاز غرقاب ہی ہو جاوے، لے دے کر روایت کا وہی ایک معیار رہ گیا تھا، لیکن بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہر شخص میں اس کے استعمال کا صحیح سلیقہ ہونا آسان نہیں ہے اور دشواری اسی پر پہنچ کر ختم نہیں ہو گئی تھی، اس سے بھی بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ دوسرا تھا، اور اب اسی کی میں تفصیل کرنا چاہتا ہوں اور یہ مسئلہ بجائے خود جتنا بھی دشوار ہو لیکن درحقیقت ہر کلی ضابطہ کی یہ عام دشواری ہے، مشق و مزاولت، تکرار و کثرت، تجربہ سے پیدا ہونے والی بصیرت و حذاقت، سلیقہ و ملکہ کی ضرورت جیسے درایت کے اس معیار کے استعمال میں پیش آتی ہے بجنسہٖ ان ہی امور کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی فن کے جزئیات پر کلیات کو منطبق کر کے نتیجہ تک لوگ پہنچنا چاہتے ہیں۔ طب ہی کو لیجئے کہ تحقیق امراض کے کلی علامات و آثار اسباب خواص کے جان لینے کے ساتھ ہی کیا آدمی طبیب حاذق بن جاتا ہے الغرض ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اس قسم کی تمام چیزوں کا عام قاعدہ ہے اسی میں درایت اور عقل کے وہ قوانین بھی شریک ہیں جن سے روایات کی تنقید و تنقیح یا چھان بین جانچ پڑتال میں کام لیا جاتا ہے، اصطلاحاً ان ہی قوانین کا نام "معیار درایت" رکھ دیا گیا ہے، پس مسئلہ اگر عام روایتوں اور خبروں کا ہوتا تو اس پر قابو پا لینے میں چنداں دشواری پیش نہ آتی، لیکن یہاں سوال روایتوں کے اس خاص ذخیرے کے متعلق ہے جسے کسی دین یا مذہب کی حیثیت بنا ہی حاصل ہو گئی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں کہنے کے لئے جس کے جی میں آئے جو کچھ چاہے کہہ دے لیکن درایت کا یہ عجیب معیار ان مذہبی روایتوں کے رد و قبول کے لئے اگر کافی ہوتا تو آج دنیا کے اکثر مذاہب و ادیان کی میتھولوجی یا دیومالا یا اساطیر الاولین جیسے خرافاتی اوہام کے ان پشتاروں سے عقلی اور دینی نظر نہ آتی، خرافات اور اوہام کا وہی پشتارہ جس کی بدولت آج مذاہب و ادیان ویرانہ عجائب یا اضحوکۂ اطفال بنے ہوئے ہیں۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی طرف منسوب ہو جانے کے ساتھ ہی روایتوں کے اس ذخیرے میں ہمیشہ ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا تھا، ایسا تقدس جس کے بعد پوچھنے والوں کے لئے یہ پوچھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی کہ آخر ان کے منسوب کرنے والے کون لوگ ہیں، انھوں نے مذہب کی طرف ان روایتوں کو کس بنیاد پر منسوب کیا؟ کب منسوب کیا؟ کیوں منسوب کیا؟ بس اتنی بات کہ مذہب میں یوں ہی آیا ہے، مذہب یہی کہتا ہے، مذہبی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، مذہب کے علماء یہی کہتے ہیں، یہ اور اسی قسم کے چند گنے چنے ڈھلے ڈھلائے فقروں میں اتنا زور رکھا کہ منہ اور زبان ہی نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں پر خاموشی طاری ہو جاتی تھی ان کے مقابلہ میں کچھ کہنا تو خیر بڑی بات تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کچھ سوچنا بھی گویا جرم بن جاتا تھا باقی ان روایتوں کی راہ سے مذہب کے عقاید و مسلمات میں جو چیزیں شریک ہوتی رہتی تھیں، ایک تو مذہبی روایات کا مقدس غلاف ان پر چڑھا ہوا تھا، وہی دھمکی بن کر ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا، جو کسی قسم کا سوال ان کے متعلق کرنا چاہتے تھے، اور دوسری بات یہ تھی کہ مذہبی روایات کے اس غلاف سے نکل کر ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتی تھیں، جہاں حواس کے ہاتھ کوتاہ، اور عقل کا چراغ گل ہو جاتا تھا، یعنی غیب کے اس عالم میں داخل ہو جاتی تھیں جس کا مذہب عالم کے اس محسوس نظام میں تنہا سفیر اور ترجمان ہے اور اثبات کے معیار پر رکھ کر غیب میں شریک ہو جانے والے ان عقائد و مسلمات کے پرکھنے اور جانچنے کی شکل ہی کیا تھی؛ غیب سے مذاہب کا جو جوہری تعلق ہے اس سے قطع نظر کر کے اگر ان کی تنقید میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جاتا جس سے دنیا کے عام حوادث و واقعات کی خبروں کی جانچ بین میں کام لیا جاتا ہے تو غیب سے بے تعلق ہو جانے کے بعد مذہب مذہب ہی باقی نہیں رہتا اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہبی حقائق اور دین کے غیبی امور کی جانچ پڑتال میں جن لوگوں نے یہ راہ جس زمانہ میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کی ہے۔ آخری انجام ان کی کوششوں کا یہی ہوا ہے کہ مذہب چند بے جان مادی رسوم کا صرف ایک ایسا خشک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے کہ غیر تو غیر خود تنقید کرنے والوں کے لئے بھی اس نام نہاد مذہب میں کوئی دل آویزی اور دل چسپی باقی نہیں رہی ہے، اس قسم کی کوششوں کا پہلے بھی ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی انجام ان کا ہو رہا ہے۔

اور مذہب کے اس غیبی تعلق کو زندہ و تر و تازہ رکھتے ہوئے درایت کے اس معیار کو مذہبی روایات اور ان کے مشتملات کی تنقید کے لئے جنہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہیں اٹھانے کے ساتھ ہی ان کو خود بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اچٹ جانے والے ایک ادھچے ہتھیار سے زیادہ کوئی کام وہ انجام نہیں دے سکتا ہے، اس کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن ہوتا یہی ہے اور واقعہ کی جو صورت مذہب میں ہے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کا خزانہ اس قسم کے خرافات سے جو آ بھرا ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ درایت کے اس معیار سے وہ ناواقف تھے میرے خیال میں یہ واقعہ کا انکار ہوگا تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے بلکہ اجمالاً اتنا اشارہ کافی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے خرافاتی مذاہب یعنی میتھالوجی سے جن کے دامن بھرے ہوئے ہوتے ہیں ان کے ماننے والوں نے دنیا کے حوادث و واقعات کی تحقیق و تنقیح درایت کے اسی معیار کی مدد سے کی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف ان کا مذہب صرف خرافات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے تو دوسری طرف ایسے بے شمار علوم و فنون کے وہاں نظر آتے ہیں جن میں حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے درست کو نادرست سے الگ کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئی ہیں۔ بھلا ان ہی لوگوں کے متعلق کسی حیثیت سے بھی یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ واقعات کی تنقیح میں درایت کے اس معیار سے کام لینا وہ نہیں جانتے تھے یا اس معیار سے انھوں نے کام نہیں لیا تھا یا نہیں لیتے تھے

خلاصہ یہ ہے کہ درایت کا یہ معیار بجائے خود جتنا بھی اہم ہو لیکن زیادہ تر اس کی اہمیت کا تعلق دنیا کے عام حوادث و واقعات سے ہے بالخصوص ان کی متعلقہ خبروں کی تنقید میں اس کی گرفت سخت ہوتی ہے لیکن بات جب غیب میں چلی جاتی تو جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت ایک معمولی ادھچے ہتھیار سے زیادہ درایت کے اس معیار کی وقعت باقی نہیں رہتی اسی لئے مذہبی روایات جو بہرحال غیبی تعلقات کا سہارا لئے رہتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ان کی تنقید و تنقیح میں یہ تو غلط ہے کہ سرے سے اس معیار کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہئے میں بتا چکا ہوں کہ ہمارے محدثین نے انتہائی فراخ چشمیوں کے ساتھ حدیثوں کی تنقید میں اس سے کام لیا ہے اور کام لینے کی ہدایت کی ہے اور محدثین کیا آپ سن چکے کہ خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی تعلیم دی تھی، بلکہ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس معیار کے استعمال کی ہدایت فرمائی گئی ہے آگے بڑھ کر کوئی چاہے تو قرآن میں بھی اس کے اشارے پا سکتا ہے[1]۔

---

[1] حافظ ابو عمر بن عبد البر کی کتاب جامع العلم میں اور الخطیب کے کفایہ میں، نیز دوسری کتابوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ مسلمان اپنے احساسات سے مانوس جن روایتوں کو پائیں تو ان کو قبول کرنا چاہئے اور جن میں ان کے احساسات اجنبیت محسوس کریں ان کو رد کر دینا چاہئے الفاظ یہ نقل کیے جاتے ہیں اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفه قلوبکم وتلین لکم اشعارکم وابشارکم وترون انه منکم قریب فانا اولاکم به واذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم وتنفر منه اشعارکم وابشارکم وترون انه منکم بعید فانا ابعدکم منه (دیکھو کفایہ ص ۴۳۰) یعنی جب میری طرف منسوب کر کے حدیث بیان کی جائے تو تمہارے دل جسے پہچانتے ہوں اور تمہارے بال اور کھال جس کے لئے نرم پڑ جائیں اور پاؤ کہ وہ تم سے قریب ہے تو اس حدیث کے متعلق سمجھو میں تم سے قریب ہوں اور اس کے برخلاف پاؤ تو میں اس حدیث سے دور ہوں مگر ظاہر ہے کہ ان احساسات سے مقصود مسلمانوں کے وہی احساسات ہیں جو قرآن کے زیر اثر ان میں پیدا ہوتے ہیں جس کی تعبیر میں قرآنی عقلیت یا ایمانی ذہنیت سے کرتا ہوں۔ باقی دین باختوں کی وہ عقلیت جس سے قرآنی تعلیمات بھی بسا اوقات اچٹ جاتے ہیں ان کو دینی روایات کی تنقید کا جو معیار بنائے گا وہ حدیث تو حدیث شاید بیسیوں قرآنی آیات کو قرآن سے العیاذ باللہ نکالنے پر مجبور ہوگا بہر حال مذکورہ بالا روایت اگر صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کے اسی معیار کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح قرآن میں امن اور خوف کی خبروں کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے کہ عوام ان کی اشاعت نہ کریں بلکہ رسول یا رسول نہ ہوں تو مسلمانوں میں امر اور حکم کا اختیار جن لوگوں کو ہو ان تک پہنچا دیں، اور اس کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہی لوگ استنباط سے کام لیں گے یعنی صحیح اجزا کو غلط اجزا سے جدا کر لیں گے (دیکھو سورۃ نساء) کیا استنباط کا یہ عمل اصول درایت ہی کے استعمال کی تعبیر نہیں ہے ۱۲

© rasailojaraid.com